بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہیدانہ

آج سے پورے دو سال قبل ہم نے اپنی زیر ادارت نکلنے والے ایک ہفت روزہ اخبار الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۳۱ عید الاضحی کے موقع پر ذیل کا اداریہ سپرد قلم کیا تھا اور آج پھر اسے دھرا رہے ہیں کہ کل کے اندیشے آج کس طرح حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں۔

"عید الاضحیٰ وہ دوسرا بڑا اسلامی تہوار ہے۔ جسے دنیا کے ہر خطہ کے مسلمان بڑے جوش و خروش اور خوشی و مسرت سے مناتے ہیں۔ لیکن اس دفعہ عید اضحیٰ عالم اسلام کے لیے سرخوشی اور مستی کی وہ کیفیتیں اپنے جلو میں لے کے نہیں آرہی، جو پہلے لایا کرتی تھی۔ بیت المقدس صحرا سینا اور گولان کی پہاڑیوں پر یہودی پھریروں کی اڑانیں مراکش سے لے کر عمان کی عرب ریاستوں اور ملکوں میں بسنے والے ہر عرب کے گھر میں ماتم بپا کر رہی ہیں۔ قبرص میں یونانی لٹیروں کے ظلم و ستم نے ترکوں کے صبر و سکون کو لوٹ لیا ہے۔ افریقہ میں سامراجی اور جدید صلیبی قوتیں و طاقتیں رسول ہاشمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام لیواؤں کو گدھوں کی طرح نوچ اور کتوں کی طرح کھسوٹ رہے ہیں۔ مشرق بعید میں انڈونیشیا کے مسلمان ہنوز اشتراکیوں سے کھائے ہوئے زخموں کے سینے سے فارغ نہیں ہوئے اور ملائشیا کے باسیوں کے دل ہر وقت ان کے خوف سے دھڑکتے رہتے ہیں۔ ادھر ہمالہ کے دامن میں ایک نام نہاد سیکولر حکومت کے ہاں اگر کوئی گناہ سب سے بڑا اور ناقابل معافی ہے تو وہ دامانِ

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق و والبستہ ہوتا ہے اور جس قدر یہاں خونِ مسلم کی ارزانی ہے۔ شاید ہی کسی اور چیز کی ہو۔ رہے کشمیر کے سچاس لاکھ مظلوم کلمہ گو تو ان کی آزادی اور حریت کے خوابوں کو معاہدہ تاشقند نے پریشان و پراگندہ کر کے رکھ دیا ہے اور آزادی سے محروم اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی قوم عید کی خوشیاں کیسے منا سکتی ہے؟

پاکستان میں ۱۹۶۵ء کے بعد حاصل ہونے والے طرب و انبساط کی بساط کو ۶۹ء میں آمریت و استبداد کے ظلم و ستم نے لپیٹ کے رکھ دیا ہے۔ راولپنڈی، گوجرانوالہ، لاہور، کراچی، ڈھاکہ، کھلنا اور نرائن گنج میں بے گناہوں کا بہنے والا خون ارضِ پاک کے فرزندوں کے چہروں کی رونق اور ان کے دلوں کی دھڑکنوں کی ترنگ اس طرح چھین کر لے گیا ہے کہ عید اضحیٰ کی آمد آمریت کے جانے کی نوید اور موسم بہار کے آنے کی خبر بھی ان کے چہروں کی ویرانی کو دور اور ان کے دلوں کی بے کلی کو ختم نہیں کر سکی۔ اور اس کا سبب جہاں ماضی کے تلخ تجربات حال کے المناک واقعات ہیں۔ وہاں مستقبل کے اندیشے اور افکار بھی انہیں مضطرب اور بے چین کیے دیتے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک پاکستان کی سیاست کے افق پر اس ستارے کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں ملتا، جس کی خاطر اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا۔ اور جس کے لیے طویل جنگ لڑی گئی اور بے پناہ قربانیاں دی گئی تھیں۔ بلکہ اس کے برعکس وہ نظریات زیادہ فروغ پاتے نظر آتے ہیں جو اس ملک کے بنیادی تصور کے منافی اور مخالف ہیں اور ہم یہ کہتے ہوئے کوئی باک محسوس نہیں کرتے کہ پاکستان کا ہر باشعور محب وطن اور دیندار انسان اس خطرے سے لرزاں اور ترساں ہے جو سوشلزم اور کیمونزم کی صورت میں بڑھا چلا آتا ہے۔ کیوں کہ پاکستان کی بقا اور اس کے دونوں بازوؤں (مشرقی اور مغربی) کا اتحاد صرف اور صرف اسلام کا مرہون منت ہے۔ اگر اسلام کو درمیان سے نکال دیا جائے تو دونوں صوبوں میں کوئی قدر مشترک باقی نہیں رہ جاتی کہ ان دونوں کی نہ زبان ایک ہے اور نہ ثقافت اور نہ عادات ایک ایسے ہیں اور نہ روایات اور معاذاللہ ان کا

ٹوٹنا ہی پاکستان کی موت کے مترادف ہے۔ اور یہ بات بھی ایک حادثے سے کم نہیں کہ جہاں اس ملک کے عوام کی عظیم اکثریت دیندار اور مذہب پسند لوگوں پر مشتمل ہے وہاں ان کے لیڈروں اور رہنماؤں میں کثرت ایسے لوگوں کی ہے جو صرف نمائشی مسلمان ہیں۔ وگرنہ اسلام سے ان کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ تبدیلی اقتدار کے بعد جب نئے لوگ اوپر آتے ہیں تو وہ بھی اسلام کا اسی طرح جھٹکہ کرتے ہیں جس طرح ان کے پیش رو کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ آمریت کے رخت سفر باندھ لینے کے باوصف ابھی تک لوگوں کے دلوں میں اطمینان کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکی جو اکیس ۲۱ فروری کے اعلان کے بعد پیدا ہونی چاہیے تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قصوروار ہم اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ ملک کی مختلف دینی اور مذہبی جماعتوں نے ماسوا آپس کے لڑائی جھگڑوں اور کھینچا تانی کے کچھ نہیں کیا۔ نہ تو انہوں نے لوگوں کی صحیح دینی تربیت اور تعلیم کی طرف کوئی توجہ دی ہے اور نہ انہوں نے ملکی سیاسیات میں کوئی مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ جس سے دین کی آبرو میں اضافہ اور مذہب کی شان میں بڑھتری ہو۔ اس لیے ایسے عالم میں اگر ائرمارشل اصغر خان ۲۲ فروری کو لاہور کے ایک جلسہ عام میں یہ کہتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت تو چاہتے ہیں لیکن مولویوں کی حکومت پسند نہیں کرتے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

ہمیں آج اس حقیقت کا پوری طرح ادراک کر لینا چاہیے کہ اگر ہم نے اس ملک میں اسلام کو زندہ و پائندہ رکھنا ہے تو اس کے لیے عافیت پسند اور مصلحت کوشی کو خیرباد کہنا ہوگا اور اپنے مالوں اور جانوں کی قربانیاں دینی ہوں گی۔ وگرنہ الحاد اور بے دینی کے سیلِ بے پناہ کے آگے ہماری بے روح دعائیں بند نہیں باندھ سکیں گی اور نہ ہی اسلامیان پاکستان دین و مذہب کی جانب سے آسودہ خاطر اور مطمئن ہو سکیں گے۔ ڈکیٹرشپ اور جمہوریت کے داعی آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے لیکن دینِ حنیف کا خادم اور شریعت کا پاسبان کوئی نہیں آئیگا۔

اس بارہ میں سب سے زیادہ ذمہ داری اہل حدیث پر عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ اٹھیں اور اپنی تابندہ روایات پر عمل کرتے ہوئے طاغوتی طاقتوں اور ملحد قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں کہ اس وقت اسلام کو ان کے سینوں کی ضرورت ہے اور اگر انہوں نے کفر کی اس یورش کو روک لیا جو یلغار کرتی ہوئی ہمارے دروازوں تک آ چکی ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنے مسلک کو زندگی جاوید بخش دیں گے۔ بلکہ امت بھی ان کے احسانات کو قیامت تک فراموش نہیں کر سکے گی۔ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اس وقت ہم قحط الرجال کا شکار ہیں۔ لیکن میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رجال وقت خود پیدا کر لیا کرتا ہے اور شاہ شہیدؒ کے ان سپوتوں اور علماء بہار و پٹنہ کے ان وارثوں کی خاک میں ابھی تک وہ چنگاریاں موجود ہیں، جو روشن ہو جائیں تو پوری ارضِ پاک کو اپنے وجود سے منور کر سکتی ہیں۔ ضرورت صرف عزم و ارادے اور ہمت کی ہے اور اگر ہم پورے اخلاص سے اس بات کا تہیہ کر لیں تو طوفان کے ان دھاروں کا رُخ تبدیل کیا جا سکتا ہے اور عید کی خوشیوں اور مسرتوں کو واپس بلایا جا سکتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم اور پھر عید واقعی عید آزاداں ہو گی ۔

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجومِ مومنین !